

# اسلامی شریعت کا رومی قانون سے تعلق

ڈاکٹر عبدالکریم زیدان

زیر نظر مقالہ ڈاکٹر عبدالکریم زیدان، پروفیسر فقہ اسلامی جامع بغداد کی کتاب المدخل لدراسة الشريعة الاسلامية سے ماخوذ ہے۔ مخالفین کی طرف سے اسلامی شریعت پر عام اعتراض یہ رہا ہے کہ یہ نظام قانون رومی قانون سے ماخوذ یا متاثر ہے۔ فاضل مصنف نے اس مقالہ میں اس کا سنجیدہ، مدلل اور علمی جواب دیا ہے۔ افادہ عام کے پیش نظر اس کا اردو ترجمہ شائع کیا جا رہا ہے۔

ساجد الرحمن

## تمہید

اسلام ملک عرب میں ظہور پذیر ہوا۔ قبول اسلام کے بعد اہل عرب جزیرہ عرب سے نکل کر دور و نزدیک دوسرے ممالک میں پھیل گئے۔ اور تھوڑی سی مدت میں ان ملکوں کو انہوں نے فتح کر لیا۔ اور ان پر غالب آگئے۔ ان مفتوحہ ممالک میں وہ علاقے بھی شامل تھے جو مشرقی رومی سلطنت کے ماتحت اور تابع فرمان تھے، جیسے شام و مصر وغیرہ۔ ان فتوحات کے نتیجے میں اسلامی شریعت نے اس رومی قانون کی جگہ لے لی جو ان علاقوں میں رائج تھا۔ اس وجہ سے اسلامی شریعت کا رومی قانون کے ساتھ تعلق کا مسئلہ پیدا ہوا۔ مستشرقین کی اکثریت اس بات کا قائل ہے

کہ اسلامی شریعت رومی قانون سے متاثر ہے۔ اگرچہ اس تاثر کی وسعت کے بارے میں خود ان کے درمیان اختلاف ہے۔ ان میں سے ایک فریق کا خیال یہ ہے کہ اسلامی شریعت رومی قانون سے ماخوذ ہے۔ ان کے نزدیک رومی قانون اسلامی شریعت کا ماخذ ہے۔ اور اس کے قاعدوں اور ضابطوں کی اساس پر شریعت اسلامیہ کے فقہاء نے اس کو قانونی وجود بخشا۔ اس گروہ میں مستشرق گولڈنبر، فون کریمیر، اور شیلڈن آموس ہیں۔ شیلڈن آموس کا قول ہے کہ شرع محمدی مشرقی سلطنت کے رومی قانون کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اس میں عربوں کے مفتوحہ علاقوں میں سیاسی حالات کے مطابق ترمیم کر لی گئی ہے۔ اس کا ایک اور قول ہے شرع محمدی عربی لباس میں حبشین کے قانون کے سوا کچھ نہیں ہے۔ مستشرقین کا دوسرا گروہ اس بات کا قائل ہے اسلامی شریعت بعض احکام میں رومی قانون سے متاثر ہے۔ اس نظریہ کے ظاہر ہونے کے کچھ عرصہ بعد کہ اسلامی شریعت رومی قانون سے متاثر ہے اس کے برعکس نظریہ قائم ہوا جو شریعت اسلامیہ کے رومی قانون سے متاثر ہونے کی نفی کرتا ہے۔ اس نظریہ کے ماننے والوں میں اطالوی مستشرق نالینو اور استاد فیتز جیرالڈ ہیں اور مصر میں بعض ماہرین فقہ و قانون نے بھی اس رائے کا عینٹا بنایا جیسے استاد علی البردعا، ڈاکٹر عبدالرزاق سنہوری، ڈاکٹر شفیق شحاتہ، ڈاکٹر محمد لوسف موسیٰ اور استاد محمد سلام مدکوہ۔ اس مسئلہ میں ایک تیسرا نظریہ بھی ہے۔ وہ یہ ہے کہ رومی قانون اسلامی شریعت سے متاثر ہے۔ اس بحث کے آخر میں ہم اس تیسرے نظریہ پر گفتگو کریں گے۔ ذیل میں ان لوگوں کے دلائل بیان کرتا ہوں جو اس بات کے قائل ہیں کہ اسلامی شریعت رومی قانون سے متاثر ہے۔ اس کے بعد میں وہ دلائل بیان کروں گا جن کی بنیاد پر اس نظریہ پر تنقید کی گئی ہے یا اس پر اعتراض کیا گیا ہے، یا اس نظریہ کو کمزور قرار دیا گیا ہے۔ اس بحث و تمیص

سے اس مسئلہ میں حقیقات واضح ہو جائے گی۔

ان لوگوں کے دلائل جو یہ کہتے ہیں کہ اسلامی شریعت رومی قانون سے متاثر ہے

یہ ہیں۔

جو لوگ یہ رائے رکھتے ہیں کہ اسلامی شریعت رومی قانون سے متاثر ہے، اس کی تائید میں وہ کچھ دلائل پیش کرتے ہیں۔ ذیل میں ہم ان دلائل کو پیش کرتے ہیں، اس کے بعد ان پر بحث کریں گے۔<sup>۲</sup>

اول :- وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس رومی و بزنطینی قانون سے جو روم کی مشرقی سلطنت میں نافذ تھا اچھی طرح واقف تھے۔ اور اس واقفیت کے راستہ ہی سے اس قانون کے ضابطہ اسلامی شریعت میں داخل ہوئے۔

دوم :- وہ کہتے ہیں کہ رومی قانون کی درسگاہیں قیصریہ، بیروت، قسطنطنیہ اور اسکندریہ میں پائی جاتی تھیں۔ اسی طرح رومی سلطنت کے صوبوں میں ایسی عدالتیں موجود تھیں جن کا نظام رومی قانون کے مطابق قائم تھا، اور وہاں اس کے احکام نافذ تھے۔ اسلامی فتوحات کے بعد یہ عدالتیں اور درسگاہیں باقی تھیں۔ ان کے ذریعہ مسلمان فقہاء ان عدالتوں میں راجح قوانین اور رومی ماہرین قانون کے نظریات سے واقف ہوئے، اور انہوں نے ان نظریات اور احکام کو فقہ اسلامی میں منتقل کیا۔ ان کا خیال ہے کہ رومی قانون سے جو مسلمان فقہاء زیادہ متاثر ہوئے وہ امام اوزاعی اور امام شافعی تھے۔

سوم :- ان کی دلیل یہ ہے کہ رومی سلطنت کے فتح ہونے کے بعد مسلمان فقہاء اس کے مختلف شہروں میں پھیل گئے۔ اور اس کی وجہ سے وہاں جو لوگ رومی قانون کے ماہر تھے اور اس کے قوانین سے پوری طرح واقف تھے ان کے ساتھ ان کا اختلاط ہوا۔ ان مفقودہ علاقوں

کے لوگ اسی قانون سے مانوس تھے، اور اس کے عادی تھے۔ چنانچہ اسلامی شریعت کے فقہاء نے ان قوانین کو جو اسلامی شریعت میں موجود نہیں تھے اپنے سینہ سے دگایا، اور لوگوں کے ان سے مانوس ہونے کے سبب ان قانونی علاقوں میں جو اس ملک میں اس وقت موجود تھے اس قانون کو نافذ کیا۔

چہارم۔ وہ کہتے ہیں کہ رومی قانون نے اسلامی شریعت کو جاہلی قانون اور یہودیوں کی کتاب تالمود کے راستہ سے بالواسطہ متاثر کیا۔ یہ کتاب یہودی شریعت کی فقہ پر مشتمل ہے۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ جاہلی قانون رومی قانون سے متاثر ہوا، اس کے نتیجے میں رومی قانون کے بعض ضابطے دور جاہلیت میں عربوں کے قوانین میں داخل ہو گئے، جس طرح تلمود میں سرایت کر گئے تھے اسلامی شریعت نے جاہلی دور کے بعض قوانین کو برقرار رکھا۔ اس طرح رومی قانون کے بعض ضابطے اسلامی شریعت کے احکام میں داخل ہو گئے۔ ایسے ہی اسلامی شریعت کے فقہاء نے تلمود کے بعض احکام کو بھی اپنا لیا، اور اس طریقے سے تلمود میں جو رومی قانون کے بعض احکام موجود تھے وہ اسلامی شریعت میں بھی داخل ہو گئے۔

پنجم۔ وہ کہتے ہیں کہ اسلامی شریعت کے رومی قانون سے متاثر ہونے کی ایک واضح دلیل یہ ہے کہ اسلامی شریعت اور رومی قانون میں موجود قانونی ضابطے، احکام اور قواعد ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شریعت بعد میں آئی ہے، یعنی اسلامی شریعت اس نے یہ قانونی ضابطے اور احکام اس شریعت سے اخذ کئے ہیں جو اس سے پہلے تھی یعنی رومی قانون، لہذا کہ قاعدہ یہ ہے کہ جو بعد میں آتا ہے وہ پہلے آنے والے سے اخذ کرتا ہے، نہ کہ اس کے برعکس۔

ان دلائل پر تنقید اور بحث

## پہلی دلیل پر بحث اور اس کا رد

ان کا یہ دعویٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رومی قانون سے واقف تھے قطعاً غلط ہے۔ یا نہائی پوچھ اور دلچر دلیل ہے جس کا علم و تحقیق سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بات سب کو معلوم ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک خالص عرب گھرانے میں پیدا ہوئے تھے، اسی طرح آپ کی پیدائش عرب کے شہر مکہ میں ہوئی تھی جو خالص عربی شہر تھا، اس میں رومی رسم و رواج اور قانون کا ذرا بھی اثر نہ تھا۔ اور نہ یہاں ایسے لوگ موجود تھے جو ان سے واقف ہوں۔ بعثت سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف دو مرتبہ جزیرہ عرب سے باہر کا سفر فرمایا تھا۔ اور مکہ چھوڑ کر دوسرے ممالک میں تشریف لے گئے تھے۔ پہلا سفر اپنے اپنا اس وقت کیا جب آپ کی عمر مبارک بارہ سال، اور بعض روایت کے مطابق نو سال کی تھی۔ آپ کے چچا حضرت ابوطالب آپ کو تجارت کے سلسلہ میں شام لے گئے تھے، اور آپ مقام بصری تک لے گئے تھے۔ آپ نے دوسرا سفر بھی شام ہی کے لئے فرمایا، اور اس میں آپ حضرت خدیجہ کا مال تجارت لے کر تشریف لے گئے تھے۔ اس وقت حضرت خدیجہ کے غلام آپ کے ساتھ تھے۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک پچیس سال تھی۔ اس وقت بھی آپ کا سفر بصری تک تھا، اور تھوڑے دن دہاں تیار فرما کر آپ دہاں سے واپس تشریف لے آئے۔ ان دونوں سفروں میں آپ کے ساتھ خالص عرب تھے، جن کو رومی قانون سے ذرا بھی واقفیت نہ تھی ایسے ہی بصری میں قیام کے دوران آپ رومی قانون کے ماہرین اور اس سے واقف لوگوں سے نہیں ملے۔ اس طرح دہاں کوئی ایسا سبب بھی موجود نہ تھا جس سے رومی سلطنت کے حکام یا ماہرین قانون میں سے کوئی بعثت سے قبل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رومی قانون کے احکام و قواعد بصری میں قیام کے دوران سکھاتا۔ جو عرب تاجر تجارت کے سلسلہ میں شام آتے جاتے تھے ان کے ساتھ اس قسم کی تعلیم کا سلسلہ کبھی بھی موجود نہ تھا۔ اس بات کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ کتابی شکل

میں پڑھ کر آپ کو رومی قانون سے واقفیت ہو گئی ہوگی، کیونکہ آپ لکھنا اور پڑھنا نہیں جانتے تھے، اس کی جگہ ہی خود اللہ تعالیٰ نے دی ہے

وما کنتم تتلو امن قبلہ صن اور اس سے پہلے تم کتاب نہ پڑھتے تھے  
کتاب ولا تخطہ بیینناک اذالاک اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھتے تھے، یوں ہوتا  
رتاب المبعطلون (عنکبوت ۴۸) تو باطل والے ضرور شک کرتے۔

اس کے بعد اسلامی شریعت اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کی شکل میں نازل ہوئی۔ اس لئے یہ بات ناممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سہواً یا عمداً اس وحی کے ساتھ رومی قانون کی کوئی چیز طائی گئی ہو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا خود ذمہ لیا تھا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ بیشک ہم نے یہ قرآن مجید اتارا ہے اور ہم خود  
لخفون (الحجہ - ۹) اس کے نگہبان ہیں۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی طرف سے فرماتے ہیں۔

ولو تقول علينا بعض الاقاویل اگر وہ ہم پر ایک بات بھی بنا کر کہتے تو ہم ان  
لاخذنا منه بالیمن لہ لقطعا منہ کا داہنا ہاتھ پکڑتے اور ہم اس کے دل کی  
الوتین (المحاقة - ۴۳-۴۵) رگ کاٹ ڈالتے۔

۸۰۔ روم۔ دوسری دلیل پر تنقید اور اس کا جواب

رومی قانون اور عدالتی نظام کے مکاتب فکر کی طرف سے جو دوسری دلیل پیش کی گئی ہے وہ نہایت مضحکہ خیز ہے، اس کے درست ہونے کی کوئی بنیاد موجود نہیں ہے۔ تاریخی واقعات اس کو غلط قرار دیتے ہیں۔ تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ شہنشاہ جسطینین نے اس دستور کے مطابق

جو اس نے ۱۶ دسمبر ۱۹۳۳ء میں جاری کیا تھا رومی سلطنت میں رومی قانون کی تمام درسگاہیں سولے روم، قسطنطنیہ اور بیروت کے ختم کر دی گئی تھیں؟ فقہ اسلامی یا مسلمان فقہاء پر یہ قانون کے ان درسگاہوں میں سے کسی کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ بعض علمائے نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ مسلمان فقہاء اسکندریہ کی درسگاہ سے متاثر ہوئے تھے۔ لیکن یہ دعویٰ قطعی طور پر باطل ہے کیونکہ یہ درسگاہ جسٹینین کے اس دستور کے مطابق جس کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے مسلمانوں کے اسکندریہ فتح کرنے سے پہلے ہی بند کر دی گئی تھی اسکندریہ مسلمانوں نے ۶۴۱ھ میں فتح کیا ہے۔ روم اور قسطنطنیہ کی درسگاہوں کا بھی کوئی اثر نہیں ہوا، اس لئے کہ روم کو تو مسلمانوں نے فتح ہی نہیں کیا تھا، اور قسطنطنیہ ۶۴۶ء میں فتح ہوا تھا۔ اس کے فتح ہونے سے پہلے اس کے اور اسلامی سلطنت کے درمیان کوئی دوستانہ تعلقات نہیں تھے، تاکہ مسلمان فقہاء وہاں پہنچ سکتے، اور جو قانون وہاں پڑھایا جاتا تھا اس سے واقفیت حاصل کرتے اور اس سے متاثر ہوتے۔ یہی بیروت کی درسگاہ، تو تاریخی طور پر یہ بات ثابت ہے کہ اسلامی فتح سے پہلے ہی ختم ہو چکی تھی اور یہ عرصہ ایک صدی کا ۱/۲ حصہ بنتا ہے۔ اس لئے فقہ اسلامی پر ایسی درسگاہوں کے اثر کا کوئی تصور بھی نہیں کیا جاسکتا جو مرٹ چکی ہوں اور ان کا کوئی وجود ہی باقی نہ رہا ہو۔

ان کا یہ دعویٰ کہ اسلامی فقہاء میں سے امام اوزاعی اور امام شافعی بیروت کی درسگاہ اور اس کے فقہاء کی آراء سے متاثر تھے اس تاریخی واقعہ کی بنیاد پر باطل ہو جاتا ہے۔ امام اوزاعی کا تعلق اہل حدیث سے تھا نہ کہ اہل رے سے، جیسا کہ ان کی فقہ سے معلوم ہوتا ہے، جو کتاب الام اور دوسری کتابوں میں منقول ہے۔ اور حال ہی میں مدون بھی ہو چکی ہے بالفرض اہل حدیث اگر رومی قانون سے واقفیت بھی رکھتے تھے، تب بھی ہم یہ کہہ سکتے ہیں

کہ رومی قانون سے اثر پذیریری میں یہ درسگاہ سب سے زیادہ دور رہی۔ امام شافعی غزہ میں پیدا ہوئے۔ اجمعی وہ دودھ ہی پی رہے تھے، یا دودھ چھڑانے کے بعد ان کے گھر والوں نے انہیں مکہ مکرمہ بھیج دیا۔ یہیں انہوں نے پرورش پائی۔ اور یہاں کے فقہار سے فقہ کا علم حاصل کیا۔ پھر وہ مدینہ تشریف لے گئے، وہاں امام مالک کی صحبت میں رہے، اور ان سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ مدینہ سے پھر وہ یمن چلے گئے، اور یہاں کی فقہ سے بہرہ ور ہوئے۔ اس کے بعد وہ عراق چلے گئے، اور وہاں امام ابوحنیفہ کے شاگرد امام محمد بن الحسن شیبانی سے ملاقات کی۔ ان سے احناف کی فقہ کی سماعت کی۔ اور آخر میں چار پانچ سال مصر میں ان کا قیام رہا۔ اور وہیں وفات پائی اس سے معلوم ہوا کہ امام شافعی نے فقہ کا علم اور اس فن میں پختگی ان شہروں میں حاصل کی جو رومی قانون کے مراکز سے دور تھے۔ اس لئے اس قانون سے ان کے متاثر ہونے یا واقفیت حاصل کرنے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

رہا یہ دعویٰ کہ اسلامی فتوحات کے بعد ان ملکوں میں رومی عدالتیں باقی تھیں صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ اسلامی سلطنت میں ابتداء ہی سے قضا کا محکمہ مسلمانوں کے ہاتھ میں ہی رہا ہے، غیر مسلموں کے ہاتھ میں نہیں۔

۸۱۔ سوم: ان کی تیسری دلیل پر تنقید اور اس کا جواب:

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ دلیل دو باتوں پر مشتمل ہے۔ اول یہ کہ مسلمان فقہار مفتوحہ رومی علاقوں میں پھیل گئے تھے۔ اس سبب سے انہیں رومی قانون سے واقف ہونے کے پورے ذرائع حاصل تھے۔ دوم یہ کہ مسلمانوں نے رومی قانون کے ان قواعد و ضوابط کو جن سے شرعی قانون بہرہ ور نہ تھا ان علاقوں میں نافذ کئے جو اس وقت ان کے زیرِ اقتدار تھے، اس قانون کے لفاظ سے ان علاقوں کے باشندوں کی رعایت مقصود تھی، کیونکہ وہ اسی



قانون سے مانوس تھے۔

یہ دلیل بھی مع اپنی دونوں شقوں کے نہایت لچر ہے، اور اس سے ان کا دعویٰ ثابت نہیں ہو سکتا۔ دوسری دلیل پر بحث کے دوران ہم یہ بات بتلا چکے ہیں کہ مسلمان فقہاء پر رومی قانون کی درسگاہوں کا قطعاً کوئی اثر نہ تھا۔ اب یہاں ہم اس بات کا اضافہ کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے مفتوحہ رومی علاقوں میں پھیل جانے سے وہ رومی قانون سے واقفیت پر ٹھکراؤ کا در نہ ہوئے۔ کیونکہ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ مسلمان فقہاء اس قانون سے واقف نہ تھے، اگر وہ اس کی کسی چیز سے بھی واقف ہوتے تو اس کی تائید یا تردید میں اپنی فقہ کی کتابوں میں کوئی اشارہ ضرور کرتے جیسا کہ انہوں نے فلسفہ اور طب کے بارے میں کیا ہے، ان علوم میں انہوں نے ابتداء میں یونانی علوم و فنون سے استفادہ کیا تھا، اسی طرح ادب کی بعض اصناف پر فارسی کا اثر پڑا، جس میں انہوں نے ایران کے علوم سے استفادہ کیا تھا۔ اب تک رومی قانونی کتابوں کا عربی زبان میں مسلمان فقہاء یا کسی دوسرے طبقہ کی طرف سے عربی زبان میں ترجمہ نہیں ہوا تھا اگر ایسا ہوتا تو ان کے بارے میں یہ چیز معروف ہوتی، اور رومی قانون کی کوئی کتاب یا رسالہ جس کا انہوں نے عربی میں ترجمہ کیا ہوتا یا نسخے ہمارے لئے ضرور محفوظ کیا ہوتا کیونکہ جیسے یونانی ورثہ سے منقول ترجمہ کی شکل میں ہمارے پاس بہت سی کتابیں موجود ہیں، ایسے ہی ایرانی ورثہ (فارسی) سے منقول علمی ادبی کتابیں موجود ہیں مسلمان فقہاء کا بھی قانون کے مقابلہ میں اس منفی موقف، روگردانی اور عدم توجہ کا سبب یہ تھا کہ ان کے خیال میں اسلامی شریعت ایک مکمل اور انصاف پر مبنی نظام قانون ہے، اور اسی سے لوگوں کو بھلائی اور انصاف مل سکتا ہے، اور ان کی مصالح پوری ہو سکتی ہیں کیونکہ وہ وحی الہی پر مبنی ہے۔ اس لئے انہوں نے رومی قانون پڑھنے کی ضرورت محسوس

تہیں کی۔ بلکہ اس سے محض واقفیت کے لئے بھی انہوں نے کسی محرک کو درخور اعتناء نہ سمجھا۔ اسے دلیل کی دوسری شق بھی باطل ہے۔ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ مسلمان فقہاء رومی قانون سے واقف نہ تھے۔ اگر وہ اس سے واقف بھی ہوتے تب بھی اپنی سلطنت میں اس کو نافذ نہ کرتے۔ کیونکہ ان کے عقیدہ کے مطابق اسلامی شریعت ہی ایسا قانون ہے جس کو دارالاسلام میں مقیم باشندوں کے درمیان ہر قسم کے قانونی تعلقات کے لئے نافذ کیا جانا چاہیے۔ مسلمان قاضی کے لئے قطعاً یہ گنجائش نہیں ہے کہ وہ غیر مسلموں یا مسلمانوں کے مقدمات کا فیصلہ اسلامی شریعت کے علاوہ کسی دوسرے قانون سے کرے۔ اسی طرح کسی مسلمان فقیہ کو یہ اجازت نہیں ہے کہ اسلامی شریعت کے علاوہ کسی دوسرے قانون کے مطابق فتویٰ دے۔ قرآن مجید کی بہت سے آیات اس کو بتلاتی ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ (مائدہ - ۴۴)

یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق حکم نہ دیں تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔

دوسری جگہ فرمایا :

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيِّمًا عَلَيْهِ فَاحْكُم بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ (مائدہ - ۴۸)

یعنی اور اس کتاب کو ہم نے آپ پر نازل کیا ہے جس کا حال یہ ہے کہ یہ خود بھی سچی ہے اور اپنے سے پہلے کتابوں کی بھی تصدیق کرتی ہے اور ان کتابوں کی مخالفت بھی ہے۔ لہذا آپ ان اہل کتاب کے مابین اس کے مطابق فیصلہ کیجئے جو اللہ نے آپ پر نازل کیا ہے۔

تیسری جگہ ارشاد ہے :

وَإِنْ أَحْكَم بَيْنَهُمْ يَمَّا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِع

یعنی اور اے پیغمبر جو کتاب ہم نے نازل کی ہے اس کے مطابق ان اہل کتاب کے مابین فیصلہ فرمایا کیجئے

اھواء ہم ( ماخذہ - ۲۹ ) اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے۔

اور یہ اسی قسم کی دوسری آیات یہ بتلاتی ہیں کہ اسلامی شریعت کے احکام کی رو سے ہی مقدمات کا فیصلہ کرنا مسلمانوں پر فرض ہے۔

عام مفسرین نے بھی ان آیات کی یہی تفسیر کی ہے۔ مختلف مذاہب کے فقہاء کو اس پر اتفاق ہے اس لئے اسلامی سلطنت میں مسلمان فقہاء یا قاضیوں کی طرف سے رومی قانون کو نافذ کرنے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ فرض کیجئے اس وقت بعض ایسے قانونی تعلقات اور جدید واقعات کا ان علاقوں کے فقہاء کو سامنا کرنا پڑا ہو جن کے بارے میں کتاب و سنت میں واضح احکام موجود نہیں تھے، تو فقہاء ان واقعات اور مسائل کے بارے میں بھی شریعت کے ان مآخذ سے احکام مستنبط کرتے تھے جن کی طرف خود شریعت نے رہنمائی کی ہے، یعنی اجماع اور قیاس ان مآخذ میں کہیں بھی شریعت کے علاوہ کسی دوسرے قانون کا حوالہ موجود نہیں ہے، جیسے رومی قانون وغیرہ۔

جب ہمیں یہ معلوم ہو گیا کہ یہ دلیل باطل ہے تو اب ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مفتوحہ رومی علاقوں میں مسلمان فقہاء نے ایسے رسم و رواج و عرف پائے جن سے وہاں کے باشندے پہلے سے مانوس چلے آ رہے تھے۔ فقہاء نے ان علاقوں میں پائے جانے والے رسم و رواج کو اصول شریعت قرار دیا اور اس کے احکام سے ملا کر دیکھا۔ ان میں سے جو شریعت کے مخالف نہیں تھے ان کو باقی رکھا جیسے انہوں نے دوسرے مفتوحہ ممالک عراق و ایران وغیرہ کے ساتھ کیا تھا، جو رومی سلطنت کے ماتحت نہیں تھے۔ مسلمان فقہاء نے جو ان علاقوں میں پائے جانے والے بعض رسم و رواج کی رعایت کی، اس کا سبب یہ نہیں تھا کہ رومی قانون نے ان کی رعایت کی تھی، اور ان کا اعتبار کیا تھا، اس لئے فقہاء نے بھی اس ملک میں ان کی اتباع کی۔ بلکہ اس کا سبب یہ تھا کہ اسلامی

شریعت میں خود صحیح عرف اور رسم و رواج کی رعایت کرنے کا حکم۔ موجود ہے۔ یہی معاملہ شریعت نے عربوں کے جاہلی دور کے رسم و رواج کے ساتھ کیا۔ ان میں سے ان رسم و رواج کو جو صالح تھے، اور شرعی احکام سے متصادم نہ تھے ہاتی رکھا۔ اور ان میں جو فاسد تھے، اور شرعی احکام کے ساتھ ہم آہنگ نہ تھے، ان کو ختم کر دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر لوگوں کو دوسرے ایسے رسم و رواج پر چلنے کے لئے آمادہ کیا جائے جو ان اچھے رسم و رواج کے علاوہ ہوں جن کے وہ عادی ہوں، اور زمانہ و دراز سے ان کے ساتھ مانوس چلے آ رہے ہوں، تو اس طرح ان کو سخت تنگی اور بڑی مشقت میں ڈالنا ہوگا۔ شریعت کے اصولوں میں لوگوں کے لئے تخفیف (بوجہ ہلکا کرنا) تیسیر (آسان کرنا) اور رفع حرج (تنگی دور کرنا) اہم اصول ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

میرید اللہ بکم الیسر ولا یسید بکم  
یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے  
العسر (البقرہ - ۱۸۵) اور تمہارے لئے دشواری نہیں چاہتا۔

دوسری آیت میں فرمایا:

میرید اللہ ان یخفف عنکم (ناسا ۲۸) یعنی اللہ تعالیٰ تم پر سے بوجہ ہلکا کرنا چاہتا ہے۔

تیسری آیت میں فرمایا:

ما یرید اللہ لیجعل علیکم من  
یعنی اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ وہ تم پر کوئی  
حرج (مانڈہ - ۹) تنگی کرے۔

۸۲۔ ان کی چوتھی دلیل پر تنقید اور اس کا جواب

اسی دلیل میں یہ بات کہی گئی ہے کہ چونکہ عربوں کے سلطنت روم کے باشندوں کے ساتھ روابط تھے، اس لئے رومی قانون کے بہت سے قاعدے اور ضابطے جاہلی دور میں عربوں کے رسم و رواج میں سرایت کر گئے تھے۔ جیسے یہودیوں کی فقہ کی کتاب تلمود میں ان رومی قاعدوں

نے راہ پائی تھی۔ چونکہ اسلام نے جاہلی دور کے بعض قوانین کو باقی رکھا اور مسلمان فقہار نے تلمود کے بعض احکام سے استفادہ کیا تھا، اس کے معنی یہ ہیں رومی قانون کے بعض قاعدے اور نظام اسلامی شریعت اور فقہ میں راہ پا گئے۔ اور دونوں کا جزو بن گئے اس قسم کے نتائج اخذ کرنا، اور ان پر ان مقدمات کی بنیاد رکھنا درست نہیں ہے۔ ایسی کوئی دلیل موجود نہیں ہے، جیسا کہ اٹلی کے مستشرق نالیونو نے کہا ہے، جس سے یہ ثابت کیا جاسکے کہ رومی قوانین نے جاہلی دور کے رسم و رواج کے واسطے سے اسلامی شریعت میں راہ پائی ہے۔<sup>۱۳</sup> یہ تو واقعہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عربوں کے اپنے بڑوسی ملک سلطنت روما کے ساتھ تعلقات تھے۔ لیکن ان کے یہ تعلقات کمزور اور محدود تھے۔ رومی حکومت نے ان عرب تاجروں کے لئے جو شام جایا کرتے تھے خاص منڈیاں مقرر کی ہوئی تھیں۔ ان مقامات سے باہر جانے کی ان کو اجازت نہ تھی، یہ منڈیاں عقبہ، غزہ اور بصری کی تھیں۔ اس کے علاوہ اس دور میں عربوں کے درمیان تعلیم عام نہ تھی۔ اور وہ غیر ملکی زبانوں سے ناواقف تھے۔ اس لئے عربوں کے رومی سلطنت کے عوام کے ساتھ تعلق کے باوجود ان پر رومی قانون کا کوئی اثر ظاہر نہ ہو سکا!<sup>۱۴</sup> تلمود سے استدلال بھی ان کے حق میں مفید نہیں کیونکہ بہت سے وجوہ کی بنا پر اس میں ایسی کوئی دلیل موجود نہیں ہے جس سے ان کی دلالت کی تائید ہوتی ہو۔ چند وجوہ یہ ہیں

(۱) تیسری صدی عیسوی کے بعد رومی بیزنطینی قانون یہودی قانون خود متاثر ہوا لیکن اس کے برعکس نہیں ہوا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس دور کے شارحین قانون رومی قانون کے بعض ضابطوں کو یہودی الٹ قرار دیتے ہیں۔ یعنی بعض رومی قانونی ضابطے یہودیوں کے قانون سے ماخوذ ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ رومی قانون کے قواعد و ضوابط اسلامی شریعت میں یہودیوں

کے قانون کے واسطے سے منتقل نہیں ہوئے۔

(ب) ایک راجح قول کے مطابق سابق آسمانی شریعتوں میں وارد ہونے والے احکام اسلامی شریعت کا حصہ نہیں ہیں، الایہ کہ خود اسلامی شریعت میں ایسی دلیل موجود ہو جو یہ بتلائے کہ ان میں سے کوئی خاص حکم مسلمانوں کے حق میں شریعت کا حکم رکھتا ہے۔

(ج) تلمود میں کثرت سے ایسے احکام موجود ہیں جو فقہ اسلامی کے احکام کے مخالف ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔ یہودیوں کے نزدیک شادی ایک معروضی عقد ہے یہ اس وقت تک منعقد نہیں ہوتا جب تک اس کی معین شکلیں اپنی شرائط کے ساتھ موجود نہ ہوں۔ مثلاً فریقین کا عبرانی زبان میں چند مخصوص کلمات ادا کرنا، عقد کا ضبط تحریر میں لانا، اور اس کو خاص طرح کی غاز ادا کر کے جس میں معین تعداد میں لوگ جمع ہوں مقدس بنانا، یہودیوں کے تہواروں اور سبت کے دنوں میں اس عقد کا جائز نہ ہونا۔ اس کے برخلاف اسلامی شریعت میں نکاح کا طریقہ یہ ہے کہ فریقین کی طرف سے دو گواہوں کی موجودگی میں باہمی رضامندی کا اظہار ہو۔ اس کے انعقاد کے لئے کسی معین شکلوں کی شرط نہیں ہے۔

یہودی قانون کے مطابق تعدد ازدواج میں بیویوں کی کوئی تعداد مقرر نہیں اس کے برعکس اسلامی شریعت میں چار سے زیادہ بیویوں کی اجازت نہیں۔ یہودیوں کے قانون میں شادی شدہ عورت اپنے مال میں تصرف نہیں کر سکتی، کیونکہ وہ کسی کے ساتھ عقد معاہدہ کرنے کی اہل نہیں ہے۔ اور جو کچھ اس کی ملکیت میں ہے وہ اس کے شوہر کا ہے۔ اس میں جس طرح تصرف کرے اس مسئلہ میں اسلامی شریعت یہودی قانون کے مخالف ہے۔ وہ شادی شدہ عورت کو اپنے مال میں تصرف کرنے اور قدرت

رکھنے کا مکمل طور پر اہل قرار دیتی ہے، اور تصرف کے لئے اس کو خاوند کی اجازت کی کوئی ضرورت نہیں۔ اسلامی شریعت میں طلاق کے لئے کوئی خاص شکل مقرر نہیں ہے۔ اس کے برخلاف یہودی شریعت میں اس کے لئے خاص شکلیں مقرر ہیں۔ یعنی عبرانی زبان میں اس کا لکھنا ضروری ہے، اور سبب اور تہواروں کے دن طلاق واقع نہیں ہو سکتی۔ اسلامی شریعت میں وارث کی موجودگی میں اپنے مال میں سے تمہائی حصہ کی وصیت اجنبی کے حق میں جائز ہے۔ لیکن یہودی قانون میں وصیت اس وقت جائز ہے جب زنیہ اولاد موجود نہ ہو۔ یہودی قانون میں ورثہ کو ترکہ اس شرط پر ملتا ہے کہ جو بھی حقوق، قرض اور ذمہ داریاں میت پر تھے اب ورثہ کو ادا کرنا ہوں گے۔ اس کے برخلاف اسلامی شریعت میں وارث کو جو ترکہ ملتا ہے وہ میت کا قرض ادا کرنے کا ذمہ داری نہیں ہوتا۔ بلکہ قرض اس کے ترکہ میں سے شروع میں ہی ادا کر دیا جاتا ہے۔ قرض ادا کرنے کے بعد جو ترکہ بچتا ہے وہ وارثوں میں تقسیم ہوتا ہے۔ اگر قرض ادا کرنے کے لئے میت کا ترکہ کافی نہیں ہوتا تو اس کی ذمہ داری وارثوں پر نہیں ہوتی۔ اسلامی شریعت میں رضاعی رشتے نکاح کے لئے مانع (رکاوٹ) بنتے ہیں۔ لیکن یہودی قانون میں یہ صورت نہیں ہے۔ فقہ اسلامی میں تعزیری سزائیں موجود ہیں، لیکن یہودی قانون میں ان کا کوئی وجود نہیں۔ اس تجزیہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہودی قانون اسلامی قانون سے بنیادی طور پر مختلف ہے۔ انہیں وہ چیزیں جو دونوں میں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں تو وہ محض چند جزوی احکام ہیں، اور اگر ان کا اختلاف سے مقابلہ کیا جائے تو ان کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اس سے یہ بات ظاہر ہے کہ ان کا یہ دعویٰ کہ اسلامی قانون یہودی قانون سے متاثر ہے، اور اس کے نتیجے میں رومی قانون سے اہل بنیاد ہے۔

پانچویں دلیل پر تنقید اور اس کا جواب :

اس دلیل میں مخالفین نے اسلامی شریعت اور رومی قانون میں بعض مشابہ چیزوں سے اس پر استدلال کیا ہے کہ اسلامی قانون رومی قانون سے متاثر ہے بہت سے وجوہ کی بنا پر ان کا یا استدلال مجبور ہے۔ اس لئے یہ دلیل بھی ساقط ہے اور متروک کرنے کے قابل ہے۔ اس کے جواب میں ہمارے دلائل درج ذیل ہیں۔

اول : ان دونوں قانونی نظاموں میں چند باتیں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں مثلاً رومی قانون میں یہ اصول ہے کہ بارثوت مدعی پر ہوتا ہے۔ اور اسلامی شریعت میں بھی یہ قاعدہ ہے کہ بارثوت مدعی پر ہوگا، اور جو انکار کرے (مدعی علیہ) اس کو قسم کھا کر قہر ہوگی اسی طرح دونوں میں یہ اصول مسلم ہے کہ بغیر حق کے دوسرے کا مال لینا حرام ہے۔ اس قسم کے قواعد اور اصول تمام نظامہائے قانون میں عام اور مشترک ہیں عقل سلیم بھی ان ہی اصولوں کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور عدل و انصاف بھی انہی کا فیصلہ دیتے ہیں۔ کسی نظام قانون میں اس قسم کے قواعد سے غفلت اس قانون کی خامی اور نا انصافی کی دلیل ہے۔ اس دائرہ میں چند چیزوں کے درمیان مشابہت اس بات کی دلیل نہیں کہ بعد میں آنے والی شریعت لازمی طور سے سابق شریعت سے ماخوذ ہے۔

دوم : دونوں نظامہائے قانون میں بعض چیزوں کے درمیان مشابہت حتمی طور پر یہ نہیں بتلائی کہ ایک کے قواعد و ضوابط دوسرے سے ہی لئے گئے ہیں۔ کیونکہ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ مشابہت معاشرتی حالات و ظروف میں مشابہت کی بنا پر جو جن سے دونوں گزر رہے ہوں جیسے بہت سے واقعات کے متعلق انداز فکر میں صحت مند ذہن ایک دوسرے کے مشابہ ہوتے ہیں۔ یہ تمام قوموں میں مشترک ایک فطری امر ہے۔ اس لئے محض اس مشابہت کی بنا پر یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ لازمی طور پر یہ شریعت دوسری سے ہی ماخوذ ہے، اور اس کے برعکس نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ کہنا ضروری ہی ہے کہ ایک نے دوسرے سے اخذ و استفادہ کیا ہے، تو پھر یہ



کہنا درست ہوگا کہ رومی قانون اسلامی شریعت سے ماخوذ ہے، اور یہ بات ہم نے ایک مسلم سماجی اصول کی تطبیق کرتے ہوئے کہی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک مغلوب قوم ہی غالب قوم سے اخذ و استفادہ کرتی ہے۔ اور اس کے برعکس نہیں ہوتا!

سوم: دونوں قانونی نظاموں میں چند قواعد و ضوابط کے درمیان ظاہری مشابہت کے باوجود اسلامی شریعت اور رومی قانون کے درمیان کثیر اور اہم اختلافات ہیں۔ اور یہ اختلافات واضح طور پر بتلاتے ہیں کہ دونوں اپنی اپنی جگہ مستقل قانونی نظام ہیں۔ اور دونوں کے احکام کے ماخذ مختلف ہیں۔ رومی قانون میں بعض ایسے قاعدے اور ضابطے ہیں جن کا اسلامی شریعت میں وجود بھی نہیں ہے۔ مثلاً

(الف) نظام اقتدار پدیری: اس اقتدار کا مالک خاندان کا سربراہ ہوتا ہے، اور اس کو اپنی نرسینہ اولاد اور اولاد کی اولاد، متبغی اولاد، اور وہ اولاد جن کو قانون نے پسری کا درجہ دیا ہو، ان سب پر یہ اقتدار حاصل ہوتا ہے۔ یہ اقتدار مطلق العنان ہوتا ہے۔ اور اس کا اطلاق اس اقتدار کے سامنے جھکنے پر ہر شخص پر ہوتا ہے اور جو مال بھی وہ کھاتا ہے وہی اسی دائرہ میں آتا ہے۔ یہ اقتدار دائمی ہے، اور اس وقت تک باقی رہتا ہے جب تک خاندان کا سربراہ زندہ رہے اور قانونی شخصیت کی حیثیت سے متمتع ہو، اور اولاد کی عمر چلے کچھ بھی ہو جائے۔ باوجود اس کے کہ خاندان کے سربراہ کے اقتدار میں کافی کاٹ چھٹا کر دی گئی ہے، اور اس کی شدت میں بہت تخفیف ہو چکی ہے، تاہم اس کے سنگدلانہ آثار اب بھی باقی ہیں۔ یعنی خاندان کے سربراہ کو سخت ضرورت کی حالت میں اپنی اولاد کو فروخت کرنے کا حق حاصل ہے۔ اور خاندان کا سربراہ خاندان کے تمام اموال کا مالک ہے۔ اس میں تصرف کا پورا حق رکھتا ہے۔ اگرچہ درناؤ کو بلا کسی وجہ کے میراث میں حصہ پانے سے محروم نہیں کر سکتا۔

(ج) اس نوعیت کی شادی کہ شوہر کو زبردست غلبہ حاصل ہو۔ اس قسم کی شادی یا تو مذہبی طریقہ سے تکمیل پذیر ہوتی، یا خسر مدیہ و خست کے طریقہ سے، یا اگر شوہر نے پہلی دونوں صورتیں اختیار نہیں کی ہیں تو تیسرا طریقہ یہ تھا کہ بیوی ایک سال تک اپنے شوہر کے ساتھ اس طرح رہتی جس سے شوہر کو اس پر کلی غلبہ اور اقتدار حاصل ہو جاتا۔ اس نوعیت کی شادی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عورت اپنے اصلی خاندان سے کٹ کر شوہر کے خاندان کی طرف مستقل طور پر منتقل ہو جاتی ہے۔ اور اپنے اصلی خاندان میں وہ مردہ شمار ہوتی ہے۔ اور اس خاندان سے اس کے تمام حقوق، جیسے وراثت، وصیت وغیرہ ساقط ہو جاتے ہیں۔ اور شوہر کے خاندان میں وہ اس کی بیٹی، اولاد اس کی اولاد کی بہن بن کر رہتی ہے اور اس اعتبار سے وہ اپنے خاوند کی وارث ہوتی ہے۔ اپنے خاوند کے اقتدار کے سامنے وہ سرفگندہ ہوتی ہے۔ یہ اقتدار بھی پدری اقتدار کے مشابہ ہوتا ہے یعنی خاوند اس کو فروخت کر سکتا ہے، اور اس کے حقوق کا مالک ہوتا ہے۔ شادی کے وقت اس کے پاس جو مال و جائیداد ہو خاوند وہ سب اس سے چھین لیتا ہے<sup>۱۹</sup>۔

(ج) متبنی (کسی کو اپنا بیٹا بنانا) یہ بھی رومی قانون کا ایک قاعدہ ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ جو شخص کسی کو اپنا بیٹا بنائے، اور جس کو بیٹا بنایا جائے ان دونوں کے درمیان ایک مصنوعی تعلق پیدا کر کے پدری اقتدار کو قائم کرنا ہے۔ اس کے بھی وہی نتائج مرتب ہوتے ہیں جو شادی سے پیدا شدہ اولاد کے بارے میں ہوتے ہیں۔ بیٹا بنانے کے اس تعلق کو پیدا کرنے کے خاص شرائط ہیں۔ اس طرح جس شخص کو بیٹا بنایا جاتا ہے اس کے، اور اس کے مال و جائیداد پر بھی خاص نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ جو شخص بیٹا بناتا ہے متبنی اس کے خاندان میں کلی طور پر داخل ہو جاتا ہے۔ وہ اس کے اقتدار کے سامنے

سزگوں ہوتا ہے۔ اور اس کا سارا مال بیٹا بنانے والے کی ملکیت میں چلا جاتا ہے؟

۔۔ رومی قانون کے مطابق خاوند اور بیوی ایک دوسرے کو تحفہ نہیں دے سکتے۔

چہارم: اسلامی شریعت میں بعض قوانین ایسے ہیں جن کی نظیر رومی قانون میں نہیں۔

مثلاً وقف کا نظام، شفعہ کا نظام، رضاعی رشتوں کا شادی سے مانع ہونا۔ احتساب

کا نظام۔ یہ ادارہ سماجی کاموں کے لئے بنایا گیا تھا، اور دور حاضر میں عوام کی نمائندگی

اور بلدیہ کے کاموں کے مقابلہ میں تھا۔ سزاؤں میں تعزیر کا نظام، قرض کی ادائیگی دوسرے

کے حوالہ کر دینا، یہ اسلامی شریعت میں جائز ہے، لیکن رومی قانون میں اس کی کوئی گنجائش

نہیں۔ دونوں میں بعض قانونی نظام مشترک ہیں، لیکن ان کے قواعد میں اختلاف ہے۔

جیسے شادی کا نظام۔ رومی قانون میں تعدد ازدواج کی اجازت نہیں، اسلامی شریعت

میں چار تک اجازت ہے۔ رومی قانون میں زوجین میں سے ہر ایک کو طلاق کا حق ہوتا ہے

اسلامی شریعت میں صرف شوہر کو طلاق کا حق ہوتا ہے، بیوی کو نہیں۔ بل نکاح کے وقت

بیوی اس قسم کی شرط لگا سکتی ہے۔ میراث کا نظام۔ اس میں بھی دونوں کے درمیان جوہری

اختلافات ہیں۔ رومی قانون میں فروع اصول پر مقدم ہوتے ہیں۔ فروع کے ساتھ اصول کو

حصہ نہیں ملتا۔ فروع کی عدم موجودگی میں میراث اصول کی طرف منتقل ہو جاتی ہے، اور

ان کے ساتھ حقیقی بھائی بھی شریک ہوتے ہیں۔ اور مرد اور عورت دونوں کو برابر حصہ ملتا

ہے۔ لیکن اسلامی شریعت میں اصول کو فروع کے ساتھ حصہ ملتا ہے۔ اور عام قاعدہ

کے مطابق مرد کا حصہ عورت کے حصہ سے دوگنا ہوتا ہے۔ رومی قانون میں میراث کے ذمہ

حقوق اور قرضے وارثوں کو منتقل ہو جاتے ہیں، اور اگر وہ ترکہ قبول کریں تو انہیں

اپنے مورث کے قرضے بھی ادا کرنے پڑتے ہیں، چاہے اپنے ذاتی مال میں سے انہیں یہ

ادائیگی کرنا پڑے۔ اسلامی شریعت میں اصول یہ ہے کہ ترکہ قرض ادا کرنے کے بعد تقسیم ہوتا ہے۔ یعنی میریت کے ذمہ قرضے اس کے ترکہ میں ہی سے ادا کئے جاتے ہیں۔ اور ترکہ میں سے قرض ادا کرنے کے بعد جو مال بچتا ہے وہ ورثہ میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ اگر ترکہ میں سے اتنا مال نہ بچے کہ اس کے سارے قرضے ادا ہو سکیں، تو ورثا ان قرضوں کی ادائیگی کے ذمہ دار نہ ہوں گے۔ دونوں قانونی نظاموں میں مہر شادی کے احکام میں شامل ہے۔ رومی قانون میں بیوی یا اس کے گھروالے شوہر کو مہر ادا کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف شریعت اسلامیہ میں شوہر بیوی کو مہر ادا کرتا ہے۔

ہجتم: رومی قانون اپنے مختلف نظاموں میں رسمی کارروائیوں اور متعین شکلوں پر قائم ہے۔ باوجود ترقی کے اب تک اس قسم کے رسمی شکلوں کو یہ نظام قانون ختم نہیں کر سکا، تاکہ عام قانونی نظاموں کی طرح اس میں بھی عمومی اصول ہوں جن کے مطابق ہر معاملہ میں کارروائی کی جا سکے۔ مثلاً ملکیت محض باہمی معاہدہ سے فریقین کے درمیان ایک دوسرے کو منتقل نہیں ہو سکتی۔ جب تک خاص متعین شکل کی کارروائیاں تکمیل پذیر نہ ہوں۔ اسی طرح محض ایک معاہدہ کے تحت فریقین کسی ذمہ داری کے حامل نہیں ہو سکتے۔ جب تک رسمی شکلوں کی کارروائیاں جو اس کے لئے مقرر ہیں پوری نہ کر لی جائیں۔ یہ شکلی ضابطہ جینیٹین کے عہد تک باقی رہے۔ بلکہ فریقین محض اپنی رضامندی سے کوئی ذمہ داری قبول نہیں کر سکتے تھے، اور محض معاہدہ کی بنیاد ملکیت بھی منتقل نہیں ہو سکتی تھی لیکن انیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں نپولین کے فرانسیسی قانون کے مطابق محض معاہدہ کی بنیاد پر ملکیت منتقل ہونے لگی۔ اس کے برخلاف اسلامی شریعت آغاز ہی سے معاملات میں سادگی پر مبنی ہے، اور مقرر رسمی شکلوں سے خالی ہے۔ عقد کی تکمیل کے لئے اس میں

رسمی صیغہ کی ادائیگی کی ضرورت نہیں، نہ ہی انتقال ملکیت کے لئے کوئی خاص وضع لازمی ہے بلکہ عقد کے مطابق دونوں فریقین ذمہ داری قبول کر لیتے ہیں اور ملکیت باہمی معاہدہ کی بنیاد پر منتقل ہو جاتی ہے، اور اس میں خاص شکل کی رسم کارروائیوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔

ششم: رومی قانون میں ایک عام اصول کے طور پر قانون اخلاق کا دائرہ جدا جدا ہے۔ اس کی مثال میں وہ صریح نصوص پیش کی جاسکتی ہیں جو جسٹینین کے مجموعہ قوانین میں پائی جاتی ہیں۔ یہ صاف طور پر بتلاتی ہیں کہ حق کا غلط استعمال غیر مشروع قتل نہیں سمجھا جاتا تھا اس اصول کے برخلاف، اسلامی شریعت کے قواعد اخلاقی قدروں پر مبنی ہیں۔ اور اس کے قانونی نظام میں اخلاقی اصول کے در آنے کی پوری اجازت ہے۔ اس اصولی اختلاف کے نتیجہ میں بعض قانونی ضوابط اور نظریات میں اختلاف ہے جو اسلامی شریعت میں تو موجود ہیں لیکن رومی قانون میں ان کا کوئی وجود نہیں۔ رومی قانون میں کسی غصب کی ہوئی چیز کی ملکیت ہونے کے لئے خاص شرائط کے ساتھ ایک مقررہ مدت گزرنے کے بعد حجاز موجود ہے۔ یعنی اگر دعویٰ دائر کرنے کی جو مدت مقرر ہے وہ گزر جائے تو وہ غصب کی ہوئی چیز غاصب کی ملکیت بن جاتی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اس نظام قانون میں اخلاق اور قانون کے درمیان تعلق نہایت کمزور ہے۔ اس کے برعکس اسلامی شریعت میں ایسا کوئی اصول موجود نہیں۔ کیونکہ اس میں اخلاقی قدریں غالب ہیں۔ اور ان کے مطابق غصب کو حق نہیں بتایا جاسکتا۔ اور نہ یہ اخلاقی قدریں اس بات کی اجازت دیتی ہیں کہ محض ایک معینہ مدت گزر جانے سے انسان کو کوئی حق حاصل ہو جاتا ہے، یا اس کا حق ساقط ہو جاتا ہے۔ اسلامی شریعت کے قانونی نظریات کی بنیاد اخلاقی حیثیتوں پر ہے۔ اسی میں حق کو ناجائز طور پر استعمال کرنے کا نظریہ ہے۔ حق کے استعمال میں یہ شرطیں کس سے دوسرے کو ضرور نہ پہنچے۔ شریعت میں حقوق دے کر آزاد نہیں

چھوڑ دیا گیا۔ حقوق ہمیشہ اس قید کے ساتھ مقید ہوتے ہیں کہ ان کے استعمال سے دوسرے کو نقصان نہیں پہنچے گا۔ یہ نظریہ جدید مغربی قوانین میں مہبت اہمیت رکھتا ہے۔ فقہ اسلامی میں اس نظریہ کے مطابق کوئی ٹیوسی بنا سکتا اس طرح استعمال نہیں کر سکتا کہ اس سے دوسرے ٹیوسی کو سخت نقصان پہنچے۔ اسی طرح نظریہ ضرورت ہے۔ اسی سے ملتا جلتا حالت ایمر جنسی (ناگزیر حالات) کا نظریہ ہے۔ یہ نظریہ کچھ عرصہ پہلے فرانسیسی انتظامی قانون میں ظاہر ہوا تھا۔ اسباب قانون کی مختلف شاخوں تک اس کا دائرہ پھیلتا جا رہا ہے فقہ اسلامی میں یہ نظریہ پہلے سے موجود ہے۔ مثلاً کسی آفت سماوی سے کھیتی برباد ہو جائے، تو اس پر غراج ساقط ہو جاتا ہے۔ فقہاء اس کی علت یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ اراضی آفت زدہ ہے، اور اس کے مالک کو نقصان پہنچا ہے۔ اس لئے وہ امداد کا مستحق ہے کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ وہ اس آفت زدہ اراضی میں کاشت نہیں کر سکتا تھا!

### خلاصہ:

گزشتہ بحث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اسلامی شریعت کا رومی قانون سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کی حیثیت مستقل نظام قانون کی ہے۔ اس کے فقہاء اس قانون سے بالکل علیحدہ رہے جس کی بنیاد عرف و عادت پر ہے۔ اسلامی شریعت نے اپنے احکام خود اپنے مآخذ سے حاصل کئے ہیں، اور ان کو کسی اجنبی قانون کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے قواعد و ضوابط اصول فقہ میں موجود ہیں جن پر اس کی بنیاد ہے۔ اسلامی شریعت اور رومی قانون کا مقابلہ کرتے ہوئے ڈاکٹر عبدالرزاق سنہوری نے کہا ہی سچی بات کہی ہے:

”جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ اس قانون کی ابتدا عرف و عادت (رسم و رواج) سے ہوئی۔ پھر دعویٰ اور چند رسمی و شکلی کارروائیوں سے یہ پروان چڑھا۔ لیکن اسلامی شریعت

کا آغاز اس کتاب سے ہوا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی تھی۔ اور منطقی قیاس اور موضوعی احکام کے طریقے سے اس نے آگے ترقی کی۔ مسلمان فقہاء رومی فقہاء سے ممتاز ہیں۔ بلکہ وہ دنیا کے تمام فقہاء و قانون دانوں سے ممتاز ہیں۔ کیونکہ انہوں نے اپنے اصول و مبادی خود بنا لیے ہیں ان اصولوں کے ذریعہ وہ ماخذ شریعت سے احکام مستنبط کرتے ہیں اس فن کو وہ اصول فقہ کہتے ہیں<sup>۲۲</sup>۔ اس لئے اسلامی شریعت اور رومی قانون کے درمیان اختلاف جوہری ہے کیونکہ اسلامی شریعت وحی الہی پر مبنی ہے، اور یہ سب سے اہم سبب ہے جو اسلامی شریعت کو دوسرے نظماہائے قانون سے ممتاز کرتا ہے، اور اس کے اور رومی قانون اور دیگر وضعی (خود ساختہ) قوانین کے درمیان عظیم فرق کو ظاہر کرتا ہے۔ اس سلسلے میں ایک فرانسیسی عالم ذلیل (ZEVIS) لکھتا ہے ”جب میں اسلامی فقہ کی کتابوں کا مطالعہ کرتا ہوں تو میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ جو کچھ رومی قانون میں جانتا ہوں اب بھول گیا.... اور یہ سمجھنے لگتا ہوں کہ اسلامی شریعت اور اس قانون کے درمیان قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے، کیونکہ ہمارے قانون کی بنیاد انسانی عقل پر ہے اس کے برعکس اسلامی شریعت وحی الہی پر قائم ہے۔ ان دونوں کے درمیان جب اختلاف اس حد تک پہنچا ہوا ہے تو قانون کے ان دونوں نظاموں کے درمیان موافقت اور ہم آہنگی کا کیسے تصور کیا جاسکتا ہے؟۔ اس کے علاوہ اسلامی قانون میں ایسے قاعدے اور ضابطے ہیں جن تک رومی قانون اپنی ترقی کے آخری دور میں بھی نہیں پہنچ سکا۔ ان میں سے ایک اصول نیابت یا وکالت کا ہے۔ ایک شخص قانون طور پر معاملات میں اپنی طرف سے دوسرے کو نائب یا وکیل بنا سکتا ہے۔ اور اس اصول کو جدید قانون سے بھی تسلیم کیا ہے۔ لیکن جیٹین کے عہد میں بھی اس اصول کو تسلیم نہیں کیا گیا۔ آخری دور میں رومی قانون میں چند مستثنیات رکھی گئیں اور ان کے مطابق اب

کوئی اپنی طرف سے دوسرے کو مکمل نائب یا مکمل بنا سکتا ہے۔<sup>۲۴</sup> ان تمام اسباب کی بنا پر اور حقیقت کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اسلامی شریعت دوسرے قانونی نظاموں سے ممتاز ہے۔ یہ ایک مستقل نظام ہے۔ کسی دوسرے نظام سے ماخوذ نہیں، اور نہ کسی سے متاثر ہے۔ ڈاکٹر شیخ شحاتہ نے صحیح کہا ہے: ”یہاں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ قدیم و جدید دور میں وہ تمام کوششیں نامام ہو گئیں جو یہ ثابت کرنے کے لئے کی گئی تھیں کہ اسلامی شریعت میں رومی قانون سے مدد لی گئی ہے۔“<sup>۲۵</sup> بلکہ بعض معاصر اہل علم کا خیال ہے کہ خود رومی قانون اسلامی شریعت سے متاثر ہے۔ اور بہت سے اصول و قواعد اس قانون میں فقہ اسلامی سے ماخوذ ہیں۔ کیونکہ فقہ کی کتابوں کا ترجمہ اندلس میں لاطینی زبان میں ہو چکا تھا۔<sup>۲۶</sup> بعض علماء کا خیال ہے کہ یورپ میں نشاۃ ثانیہ کے دوران اٹلی اور یورپ کی دیگر درسگاہوں سے فارغ التحصیل ہونے والے شارحین قانون نے رومی قانون کی شرحوں میں اسلامی فقہ کے بہت سے اصول، قواعد و ضوابط داخل کر لئے جو انہیں اندلس میں فقہ اسلامی کی کتابوں کے تراجم کے ذریعے پہنچے تھے۔<sup>۲۷</sup>

(ترجمہ: ڈاکٹر احمد حسن)

## حوالہ جات

- ۱- صوفی حسن ابوطالب۔ بین الشریعۃ الاسلامیہ والقانون الرومانی ص ۶ صبحی محمد صانی فلسفۃ التشریع فی الاسلام۔ ص ۱۸۸
- ۲- احمد امین۔ فجر الاسلام۔ ج ۱۔ ص ۳۰۳۔ صوفی حسن ابوطالب بین الشریعۃ الاسلامیہ والقانون الرومانی۔ ص ۱۰ و ما بعد
- ۳- مقبولی۔ امتاع الاسماع۔ ج ۱۔ ص ۸-۹



- ۴- صوفی حسن ابوطالب - بین الشریعۃ الاسلامیہ والقانون الرومانی - ص ۴۸
- ۵- ایضاً ص ۵۲
- ۷- عبدالرحمن البراز - الموجز فی تاریخ القانون - ص ۲۷۱ - صبحی محمد صافی فلسفۃ التشریع فی الاسلام - ص ۱۹۰
- ۸- محمد یوسف موسی المدخل لدراسة الفقه الاسلامی - ص ۸۷
- ۹- عبدالکریم زیدان - احکام الیمینین والمتأمنین فی دار الاسلام - ص ۵۹۲ - ۵۹۳
- ۱۰- ملاحظہ ہو تفسیر الطبری - ج ۶ - ص ۲۶۸ - تفسیر الرازی - ج ۱۲ - ص ۱۱ تفسیر ابن کثیر ج ۲ - ص ۶۱ - تفسیر المنار - ج ۶ - ص ۳۹۹ - ۴۰۰ ، ۴۲۰ - تفسیر القرطبی ج ۶ - ص ۱۸۶
- ۱۱- ابن حزم - محلی - ج ۹ - ص ۳۶۲ ، ۴۲۵ - نیز ملاحظہ ہو مختلف فقہی مذاہب کی معروف کتابیں۔
- ۱۲- عبدالکریم زیدان - الوجیز فی اصول الفقه - ص ۲۴۰ - ۲۴۳
- ۱۳- المسلمون - مقالہ : علاقات الفقه الاسلامی بالقانون الرومانی - ج ۵ - ص ۵۷۴
- ۱۴- صوفی حسن ابوطالب - بین الشریعۃ الاسلامیہ والقانون الرومانی - ص ۲۵ - ۲۶
- ۱۵- صبحی محمد صافی - فلسفۃ التشریع فی الاسلام - ص ۱۹۵ - ۱۹۶ - صوفی حسن ابوطالب - بین الشریعۃ الاسلامیہ والقانون الرومانی - ص ۶۳
- ۱۶- علی البدوی -۱. بحاث تاریخ الشرائع - مجلۃ القانون والاقتصاد المصریہ - سال اول ص ۷۴ - ۷۳ - عبده حسن زیات - مذکرات فی تاریخ القانون - ص ۱۴۰

- ١٤ - مقدمه ابن خلدون - ص ١٢٤
- ١٨ - عبدالمنعم بدر اوى ومحمد عبدالمنعم بدر - مبادئ القانون الرومانى - ص ٢١١-٢٢١-٢٢٣
- ١٩ - ايضاً - ص ٢٣٢-٢٣٥
- ٢٠ - ايضاً - ص ٢١١-٢١٥
- ٢١ - عبدالكريم زيدان - احكام الزميين والمتامينين فى دار الاسلام - ص ١٤١
- ٢٢ - ستهورى - اصول القانون - ص ١٣٢
- ٢٣ - صوفى حسن ابوطالب - بين الشريعة الاسلاميه والقانون الرومانى - ص ١٠٩
- ٢٤ - شفيق شحاته - النظرية العامة للالتزامات فى الشريعة الاسلاميه - ج ١ - ص ٩٠
- عبدالمنعم البدر اوى - مبادئ القانون الرومانى - ص ٥٦٠-٥٦١
- ٢٥ - شفيق شحاته - النظرية العامة للالتزامات فى الشريعة الاسلاميه - ص ٦٤ -
- ٢٦ - يه نظريه ابوالفضائل الجردقاداتانى الايرانى كاهى - ملاحظه هو عبده من الزيات
- الموجز فى تاريخ القانون
- ٢٧ - صبحى محمدصافى فلسفه التشريع فى الاسلام - ص ١٩٣-١٩٤